وہ خود بخود ہموار ہو گئیں۔ صباحت نے نارمل ہو کر زبان سے پناخہ چلا کر اپنا کتھارسس کیا اور کمند علی خاں ذرا لچکے۔ نُورالہدیٰ خاموش رہی اور اظہار اعوان کی شکل مزید بیزار ہو گئی۔

"تو ہم چلتے ہیں سَر۔ شہر میں کوئی یوم سیاہ وغیرہ ہے سَر تو کچھ ایکشن وغیرہ ہو گا ٹائر جلیں گے... اور بچہ لوگ روف ٹاپ سے فائرنگ کریں گے تو ہم چلتے ہیں" رحمان گل نے مئودب ہو کر اجازت چاہی۔

"ٹھیک ہے —" مردان بے دھیانی میں سر ہلا کر کہنے لگا "آپ جائیں —"

بچرز سب کے سب مارچ آؤٹ کرنے کو تھے کہ اظہار نے نہایت دشمن نظروں سے مردان کو دیکھا اور کہنے لگا "مردان صاحب آپ مائنڈ نہ کریں تو عرض کروں کہ ہمارے فتح جنگ میں اگر آپ کسی بہت ہی غُربت زدہ گھر میں بھی چلے جائیں مہمان کے طور پر تو وہاں چوپا اور مکھڈی حلوہ ضرور پیش کیا جاتا ہے۔ ہم آپ کے پاس آئے ہیں او معزز لوگ ہیں اور آپ نے چائے تک کا نہیں پوچھا" اس بیان کے اختتام پر مردان اور اظہار نے ایک دوسرے کو دیرینہ دشمنوں کی طرح دیر تک گھورا اور اس دوران بچرز دم بخود رہے اور پھر مردان کے چہرے پر پہلی مرتبہ نرمی آئی اور وہ آرام سے بولا "او ہاں آپ لوگ کچھ کھائے پیئے بغیر کیسے جا سکتے ہیں؟"

"بالکل نہیں جا سکتے" سب سے پہلے داؤد پلٹ کر آیا "لیکن سَر ہمیں اب ماضی کے مزاروں میں سے تو نکالئے۔ کتبوں کی رفاقت میں کچھ وحشت سی ہوتی ہے"

نور الہدیٰ کی نگاہیں جب سے وہ اس بیرک میں آئی تھی مرکوز تھیں کلہوڑہ اور ترکھان خاندان کے نقش والے پتھروں پر اور وہ رنجیدگی سے سب کو دیکھتی تھی "تمہیں داؤد، سندھ کے ماضی سے وحشت ہوتی ہے —"

"اللہ —" کمند علی خان نے تان لگائی "پھر وہی ایتھنک پرابلم —"

"میں نے تو کچھ نہیں کہا" داؤد باقاعدہ سراسیمہ ہو گیا "صرف کتبوں کی کمپنی سے نکلنے کی درخواست کی ہے اس میں نور تم نے ایتھنک پرابلم کہاں سے برآمد کر لی —"

"اور ہمارا جو سچ مچ کا ایتھنک پرابلم ہے تلیر حضرات کا اس کی جانب کوئی توجہ نہیں دیتا" صباحت سر ہلانے لگی جیسے قوالی سن رہی ہو "کیا ہم ایک مرتبہ پھر آپ رُوٹ ہوں گے؟"

مردان حیران پریشان بلکہ جنگل بیابان کے یہ بچے جو ابھی ابھی اتنے متحیّر اور ساکت دم بخود کھڑے تھے اب اُس کے وجود سے بے خبر لاعلم کسی اور عہد میں چلے گئے تھے۔

"آپ لوگ بیرک نمبر ایک میں تشریف لانا پسند فرمائیں گے؟" مردان ذرا جُھکا اس جھکنے میں اپنی کمر کی سالخوردگی سے پھر آگاہ ہوا۔

"ضرور —" رحمان گل سب سے اوّل بولا "آیئے۔ سِچر ز آیئے"

اور جب وہ چائے اور نمکین بسکٹوں کے منتظر تھے اور خاموش بیٹھے تھے تب اظہار پاس سے گذرتی شوبھا کو اپنی مکمل بیزاری سے داڑھی کھجاتے ہوئے کہا "فتح جنگ میں ں کراچی والی سہولتیں نہیں مل سکیں گی —"

"نہ ملیں —" شوبھا نے کہا اور گزر گئی۔

وقت کی ایک کُترن میں سے اظہار کو ناریل کے تیل کی عجیب سی خوشبو آئی اور وہ پاتے ہوئے بھی مسکرا دیا۔

مشاہد نے اخبار پر جُھکا ہوا سر اُٹھایا "برگیتا میری نظر کی عینک کہاں ہے؟"

"تمہیں اخبار پڑھنے کے لئے اس کی ضرورت تو نہیں" وہ کروٹ بدل کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔

"مجھے ضرورت ہے —" وہ بے حد تُرشی سے بولا۔

برگیتا اُٹھی اور قدرے مشاہد سے خوفزدہ ہو کر اُٹھی کہ وہ اتنی درشتگی سے کم بولتا تھا اور ڈریسنگ ٹیبل کے ٹاپ ڈرائر سے عینک نکال کر اُسے تھمادی "کوئی خاص خبر ہے؟"

"ہاں" عینک لگا کر وہ پھر اخبار پر جھُک گیا "ارشد کو — ڈاکٹر ارشد کو گرفتار کر لیا گیا ہے —"

"کیا —" وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اخبار پر جھُک گئی۔

"ہاں —"

"لیکن کیوں؟"

"دو کالمی خبر ہے — اور — اور چارج یہ ہے کہ — میں نے تو وہ ویڈنگ کارڈ دیکھا بھی نہیں تھا —"

"پلیز مشیل — کیا ہوا ہے؟" وہ اس کا متغیّر ہوتا چہرہ دیکھ کر پریشان ہو گئی۔

"اُس کے شادی کے کارڈ پر — پیشانی پر بسم اللہ الرحمن الرحیم درج تھا —"

"تو کیا ہوا؟"

"تو بہت کچھ ہوا برگیتا ڈارلنگ —" اس کی آواز میں تھراہٹ نمایاں ہو رہی تھی۔

"میں سمجھ نہیں سکی — بالکل سمجھ نہیں سکی"

"اس ملک کے کتنے ردعمل ہیں جو تم سمجھ سکی ہو۔ تم نے کتنی ذہنی حالتوں کو ایک مثبت شعور کے ساتھ سمجھا ہے — قانون ہے"

"یہ کس قسم کا قانون ہے مشیل —"

"تم ذہنی طور پر اب بھی سویڈش ہو۔ تم نہیں سمجھ پاؤ گی —"
"میں کوشش کر سکتی ہوں —"
"یہ ملکی قانون ہے جس کا تقدس برقرار رکھنا ہمارا فرض ہے — ارشد قادیانی ہے
وہ چپ ہو گیا اور اخبار تہہ کر کے سائڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"Is it serious"

"ہاں — بہت — شاید چھ برس"
"جیل میں؟" اس نے مکمل بے یقینی سے پوچھا۔
مشاہد کوشش کر کے بستر سے اٹھا اور اُس کھڑکی کو کھولا جسے پھلانگ کر کئی برس
ان اسی کمرے میں داخل ہوا تھا اور وہ جب بھی اس کھڑکی کی جانب بڑھتا تھا تو اُسے
ہم سا شک ہوتا تھا کہ مردان اب بھی باہر کھڑا ہے — جلتی آنکھوں اور ایک
تے پارسل کے ساتھ۔
"نہیں — جیل میں نہیں —" وہ پلٹ کر بستر کے گدّوں میں دھنستی سیاہ بدن
ا کی جانب آیا جو سفید نائٹی میں جگہ جگہ سیاہ دکھتی تھی "نہیں جیل میں تو نہیں —
بڑے ریسارٹ میں وہ اسے بھیجیں گے ریلیکس کرنے کے لئے شائد سپین کے کوسٹا
سول میں — یا پھر فرنچ رویرا میں... چھ برس کے لئے۔

"How very humane of

برگیتا نے اپنے خاوند کو ایسے دیکھا کہ اُس میں تشویش بہت تھی۔ اور وہ دیکھتی تھی
س کی نظروں کے سامنے ایک دوست کی فکر مندی کے درد میں جھکتا چلا جاتا ہے
اُس کے چند بال مزید سفید ہو گئے — اسی لئے اُسے دیکھنے میں تشویش بہت
اُٹھی اور بمشکل اُٹھی کہ گدّے میں دھنس کر اُٹھنا بمشکل اُٹھنا ہوتا ہے اور مشاہد
ب ہو کر اپنے دونوں ہاتھ اُس کے رخساروں پر رکھ دیئے۔ اُس کی بڑھی ہوئی شیو
بھی نیم خوابیدہ ہتھیلیوں میں ہولے ہولے چُبھی "تم اس کے لئے کیا کر سکتے ہو؟"
انتظار —" اس نے برگیتا کی ہتھیلیوں کو آرام سے پرے کیا اور دوبارہ کھڑکی سے
لگا۔

برگیتا اُسے دیکھتی رہی — وہ اُسے دسمبر کی سویر کی یخ سے خبردار کرنا چاہتی تھی
پر موسم اب آسانی سے اثر انداز ہو جاتا تھا لیکن وہ چپ رہی، اُس کی پُشت پر

نظریں جمائے اسے دیکھتی رہی۔ یہاں اس شہر میں، سات کمروں والی کوٹھی کے اس کمرے
میں جب کہ وہ کھڑکی کے سامنے کھڑا صبح کی یخ سے لاتعلق تھا، برگیتا اُسے دیکھتی رہی —
ایسے جیسے زندگی میں پہلی بار وہ اُس کے اختیار سے باہر ہو گیا ہو، اس کے سیاہ وجود کا پہلے وہ
ایک حصہ تھا اب الگ ہو گیا ہو، وہ بستر میں بھی جہاں وہ ایک پسینہ بھرا وجود ہوتے ہیں
وہاں بھی ملنے کے باوجود الگ ہوتا تھا۔ مشاہد اپنی پُشت پر برگیتا کی نظروں کو نہ صرف
محسوس کرتا تھا بلکہ جانتا تھا کہ وہ اُس لمحے کیا سوچ رہی ہے اور اُسے وہ سوال بالآخر پوچھنا
ہے جو بہت دنوں سے اُس کے ذہن میں زور مارتا ہے، اُسے اُس سوال کا جواب معلوم
نہیں تھا لیکن وہ چاہتا تھا کہ یہ سوال پوچھ لیا جائے۔

"مشاہد — کیا فاطمہ اب یہیں رہے گی؟"

"میں ارشد کے بارے میں فکر مند ہوں —"

"میں فاطمہ کے بارے میں تم سے بات کرنا چاہتی ہوں —" وہ آگے ہوئی اور
اپنا ہاتھ اُس کی چوڑی پُشت پر رکھ دیا "میں بھی فکر مند ہوں۔"

فاطمہ نے بستر پر لیٹے لیٹے دیوار کو ٹٹولا، کچھ گرا شاید پُرانا چُونا دیوار سے الگ ہوا
اور اگر وہ دیکھ سکتی تو اپنی ہتھیلی پر اُس کے سفید ذرّے دیکھتی — سات کمروں والی کوٹھی
سے پرے جہاں شیشم، جامن اور املتاس کے درخت اندھیرا کرتے تھے وہاں جو فراموش
شدہ کمرہ تھا جس کی چھت پر سے گھاس لٹکتی تھی وہیں فاطمہ اپنی من مرضی سے رہتی تھی،
الگ تھلگ — جہاں مروان بھی بسیرا کرتا تھا — وہاں اُس نے لیٹے لیٹے دیوار کو ٹٹولا —
مشاہد کے اندر فاطمہ کے لئے جتنا بغض جتنا حسد تھا وہ — بابو کی موت کی خبر سنتے
ہی بہہ گیا تھا۔

"تم دو چار روز اور ٹھہر جاؤ — کم از کم لاہور تو دیکھ کر جاؤ —"

"کون دکھائے گا؟"

"میں —" مشاہد نے ہنس کر کہا تھا "کیوں برگیتا؟"

"بالکل —"

وہ اُس کا ہاتھ تھامے لئے پھرتا — شالیمار باغ دیکھ رہی ہو؟ ہاں دیکھ رہی ہوں
— کیا دیکھ رہی ہو؟ میں اسے تمہارے ہاتھ کے لمس سے دیکھ رہی ہوں

وہ اُسے لال حویلی بھی لے کر گیا اور وہاں پیچ دار اور Pale hands beside shali
تنگ سیڑھیوں میں اُس کا ہاتھ تھامے جب وہ اُوپر جا رہا تھا تو وہاں اُس نے محسوس کیا
بلکہ صرف سہارے کے لئے اُس کا ہاتھ نہیں تھامتی — اور وہ اپنی خالی اور بڑی بڑی
ان سیاہ آنکھوں اور سفید بالوں کے ساتھ ایک بہت پُرکشش عورت ہے — اور
پھر اُس سیاہ اور سفید کترن نے اُس کا ہاتھ دبایا اور کہا "مشاہد میں زیادہ دیر لاہور میں
ٹھہر سکتی —"

"کیوں؟"

"کیا ایک مرتبہ اندھا ہونا — بیوہ ہونا اور بے اولا ہو جانا کافی نہیں ہے —"

اُسے جامن اور شیشم کے گھنے اندھیرے میں گم پوشیدہ اُس بوسیدہ نم اور اُگ رہا
ردو دیوار پر سبزہ کمرے کی بُو باس پسند تھی اور وہ اپنی من مرضی سے وہاں رہتی تھی
الگ تھلگ اور خاموش... لیکن وہ یہاں کتنے روز اور ٹھہر سکتی تھی... اس کے باوجود وہ
کے خیال سے جھجکتی تھی- وہاں دیوار کا پلستر کریدتے ہوئے اس کے ذہن میں جو
یں متحرک تھیں اُن میں سے ایک تصویر نے کہا "اس وقت مشاہد کھڑکی سے باہر
ہے اور تمہارے بارے میں سوچتا ہے اور برگیتا کے لہجے میں ناپسندیدگی ہے" — یہ
اُس نے دھکیل کر پرے کر دی-

اُن پُر پیچ اور نیم تاریک سیڑھیوں میں اگر وہ ماچس کی ایک تیلی جلاتا تو فاطمہ نابینا
کے باوجود اُس کی طرف دیکھتی — اور وہ دکھائی دے جاتا —

مشاہد نے اپنی پُشت پر رکھے ہاتھ اور اُس ہاتھ میں فرق محسوس کیا جسے وہ تھامتا تھا
مڑا تو برگیتا کا ہاتھ وہیں ہوا میں رہا جسے اُس نے تھام لیا "تم میری بیوی ہو"

"قانونی حیثیت محبّت کی پاسبانی نہیں کر سکتی —"

"میں اُسے جانے کے لئے کہہ دیتا ہوں —"

"میں یہ نہیں چاہتی —" برگیتا اُس کے سینے کے ساتھ لگ کر بے جان سی ہونے
لیکن میں یہ بھی نہیں چاہتی- اس کے جانے سے شاید تم بالکل ہی واپس نہ آؤ"

"تو پھر —"

"تو پھر Status Quo — کے سرا سرا — جو کچھ ہو گا دیکھا جائے گا اور مستقبل

ہمارے لئے دیکھنے کی چیز نہیں اس لئے — کے سرا سرا"

مشاہد مسکرایا "ڈورس ڈے کیا ابھی تک زندہ ہے؟"

"اس گیت میں یقیناً —" برگیتا بھی یکدم سب کچھ بھول گئی اور پھر سے مشاہد کی اُس کشش میں مبتلا ہو گئی جس سے چھٹکارا حاصل کرنا اُس کے لئے اِس زندگی میں تا ناممکن تھا "اور ہاں مشیل — اب جب کہ اس قسم کے موضوعات زیرِ بحث ہیں — اُس نے ایڑھیاں اُٹھا کر اُس کے رخسار پر ہلکا سا بوسہ دیا اور پھر وارڈ روب کی طرف گئی، اُسے کھول کر اپنے کپڑے اور جوتے اتھل پتھل کرتی کچھ تلاش کر کے واپس آ گئی — اُس نے دونوں ہاتھ اوپر کئے، ایک ہاتھ میں ایک پرندہ تھا — کاغذ کا پرندہ۔

"یہ تمہارے لئے ہے —"

"کہاں سے آیا ہے؟"

"— Guess"

ایک جامد ٹریفک والے مشرقی شہر کی گھنی آبادیوں اور نامانوس زبانوں اور بُرے نظروں میں داخل ہو کر اپنی ڈائری پر درج ماما کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ایڈریس کو تلاش کر ایک جنم ہے لیکن وہ دسمبر کی یخ میں بھی پسینے میں بھیگتی ایک پیوند زدہ نیلی جین اور ہاف شرٹ میں کچھ بے چین اور گندی محسوس کرتی ہوئی کہ میکلوڈ روڈ پر واقع اُس غلیظ ذر۔ ہوٹل میں مَردوں اور پیشاب کی بُو تو بہت تھی لیکن صاف غسل خانے نہ تھے، وہ اپنے بدن کو کھجلاتی ایک شاندار مگر بوسیدگی کے عالم میں مبتلا رہائش گاہ کے سامنے کھڑی تھی جس کے گرد گھنی باڑھ تھی اور ایک ٹوٹا ہوا گیٹ ہوا سے جھولتا تھا اور کہیں بھی کال بیل کا کوئی نشان نہ تھا۔ اُس نے ایک مرتبہ پھر ڈائری کھول کر پتہ دیکھا اور ماما کو کوسا کہ صرف ایک کاغذی پرندہ ڈلیور کرنے کی غرض سے اسے اتنی مصیبت اُٹھانی پڑی تھی۔

پرے جہاں درختوں کا ایک جھنڈ تھا وہاں ایک سفید بالوں والی عورت ایک کرسی پر بیٹھی اپنے آپ میں مگن تھی۔ اُدھر سے ایک مشرقی پگڑی باندھے ایک بوڑھا آدمی ہاتھ میں فلاور پاٹ لئے چلا آ رہا تھا۔

"ہیلو —" اُس نے بے تابی سے ہاتھ ہلا کر اُسے متوجہ کیا۔

اُس آدمی نے اُسے بالکل توجہ کے لائق نہ سمجھا اور دائیں جانب رہائش گاہ

ت کی طرف مڑنے لگا۔

"ہیلو ہیلو —" وہ باقاعدہ چیخی "موشائد — آئی وانٹ مسٹر موشائد —"

مشرقی پگڑی والا نام سن کر ٹھٹکا، اُس کی جانب غور سے دیکھا اور پھر فلاور پاٹ زمین
ھ کر زرد رنگ کی ایک راہدری میں چلتا ہوا غائب ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک سیاہ فام
ش عورت اپنی لمبی ٹانگوں کی خوبصورتی اور توازن سے آہستہ آہستہ چلتی ہوئی گیٹ
قریب آ گئی۔

"ڈو یُو سپیک اِنگلش —"

"یَس —"

"ویری گڈ — آئی ایم کرسٹین — فرام ڈنمارک — میں اِدھر اپنے کچھ
ون کے ساتھ انڈیا جانے کے لئے آئی تھی... کیا نام ہے اس شہر کا — یاد نہیں رہتا
ہاں لاہور... تو — مسٹر مشاہد ادھر رہتے ہیں؟"

"ہاں —" برگیتا نے گیٹ کھول دیا "آپ انہیں جانتی ہیں؟"

"نہیں —" وہ گہرا سانس بھر کر ایک ہچکی کے ساتھ بولی "نہیں —"

"وہ آپ کو جانتے ہیں؟"

"نہیں —" وہ ہنسی۔ ایک جوان تئیس سالہ ہنسی اور بہت بے باک اور لاپرواہ
میری ماں اُنہیں کبھی ملی تھی ڈنمارک میں — اور اُس نے کہا تھا کہ — میری ماں
تا تھا کہ اگر میں شہر لاہور میں سے گزروں تو — اُس نے کندھے سے رُک سیک اُتار
ں میں سے کچھ نکالا جو بہت چُرمُرا اور پچکا ہوا تھا "یہ — اُنہیں دے دینا"

ایک چُرمُرا پچکا ہوا کاغذ کا پرندہ —

"اندر آ جاؤ —"

"نہیں میں بہت مصیبت والی جلدی میں ہوں۔ میرے دوست ریلوے سٹیشن پر
نتظار کر رہے ہیں۔ میں نے بہت وقت ضائع کر کے یہ گھر تلاش کیا ہے صرف اپنی ماما
ب نہ سمجھ میں آنے والی خواہش کو پورا کرنے کے لئے — پلیز یہ انہیں پہنچا دیجئے

وہ بلند قامت تھی، برگیتا نے دیکھا۔ اور اُس کے سارے بدن میں یورپ کی
مکمل نہ تھی کہیں کہیں سیاہی کی ملاوٹ تھی جو بھلی لگتی تھی۔ اُس کی آنکھیں

بالکل ڈینش نہیں تھیں بہت گہری اور سیاہ باتیں کرنے والی تھیں اور جب وہ ہنستی تو برگیتا کا دل رکتا تھا... وہ اس ہنسی کے ساتھ زندگی بسر کر سکتی تھی۔

"اور آپ کون ہیں؟"

"میں مسز مشاہد ہوں — وہ شہر جا چکے ہیں۔"

"تو میں واپسی پر اپنی ماں کو بتا دوں کہ تمہارا پرندہ جو میں نے اتنے طویل سفر کے دوران اپنے رُک سیک میں سنبھالے رکھا اس کی بیوی کے حوالے کر آئی ہوں — ٹھیک ہے"؟

"تھاکس میکے —" برگیتا نے کاغذ کی اُس شکل کو وصول کیا جو اتنی دور سے بھیجی گئی تھی اور جس کا بھید وہ نہیں جانتی تھی۔

"آپ سویڈش جانتی ہیں؟" حیرت اُس لڑکی کے چہرے پر پسینے کے ساتھ ساتھ پھوٹی۔

"میں خود سویڈش ہوں"

"واقعی؟"

"ہاں — ایک سیاہ فام سویڈ —"

"میں بہت جلدی میں ہوں —" اس نے ہاتھ آگے کر دیا "آپ سے مل کر بہت مسرت ہوئی اور پلیز یہ جو بڑ ہے — تو"

برگیتا نے اُس کا ہاتھ تھوڑی دیر کے لئے تھامے رکھا "کیا تم یقین سے کہہ سکتی ہو کہ تم اندر نہیں آنا چاہتیں؟ — شاید تم کافی پسند کرو — میں فوری طور پر تمہارے لئے کچی مچھلی کے سیکنڈے نیوین سینڈوچ بنا سکتی ہوں شائد تم وہ پسند کرو —"

"اگر وقت ہوتا تو — میرے ساتھی میرا انتظار کر رہے ہیں۔ ہم آج ہی انڈیا جا رہے ہیں... اور مسٹر مشاہد کو میری جانب سے بہت اچھی خواہشات — خدا حافظ" اُس نے رُک سیک اُٹھایا اور ماڈل ٹاؤن مارکیٹ کی طرف چلنے لگی جہاں متعدد پیلی ٹیکسیاں ایک پرانے پیپل کے قریب کھڑی تھیں۔

تہہ خانے کے روشندان کے آگے جھولتا ہوا کاغذی پرندہ

ردی کی نوکری میں پسینے سے بھیگے ہوئے چُرمُر پرندے — جو دب چکے تھے۔

"وہ کیسی تھی؟" مشاہد نے پوچھا۔
"تم جیسی تھی ——" برگیتا نے کہا۔

بے ڈر بے جھجک شوبھا کی فوکسی تھی جو ایک کچھوے کی متانت سے بے آباد شاہراہ پر چلی جا رہی تھی۔ اردگرد جو آبادیاں تھیں اُن میں کہیں کہیں کسی کھڑکی یا بالکونی میں کوئی دیکھ کر فوراً پرے ہو جاتا تھا۔

دنیا بھر میں لوگ ٹریفک جیمز سے عاجز آئے ہوئے تھے، رُکتے، کھانستے، بریکوں پر پاؤں مارتے اپنی قسمت کو کوستے وہ دھچکوں سے رُکتے اور رواں ہوتے تھے اور یہاں میں کتنی خوش نصیب ہوں کہ گلیاں ہو جان سونیاں وِچ مرزا یار پھرے — مرزا یار بھی یہی کچھ محسوس کرتا ہو گا جو میری فوکسی اِن سُونی گلیوں میں چلتی ہوئی محسوس کر رہی ہے۔ اور یہ جو اکاڈکا سنائپر شاٹ سنائی دیتے تھے تو یہ پارٹ آف دے گیم ہیں — اگرچہ وہ اس گیم کی ایک کھلاڑی نہ تھی محض تماشائی تھی لیکن یہ گیم سب کھیل رہے تھے۔ بازی لگی ہوئی تھی۔ بادشاہ، پیادے، سپہ سالار — ملکہ... اور راج کرے گی خلق خدا۔

فضا میں یقیناً کہیں نہ کہیں کوئی سٹرے بُلٹ اِدھر سے اُدھر جاتا تھا۔

فلیٹوں کی بلند عمارتوں کی چھتوں پر سے وہ نیچے دیکھتے تھے اور سوچتے تھے کہ اس اکیلی اور بیوقوف فوکسی پر نشانہ بازی کی جائے یا نہ کی جائے — چلی جا رہی ہے خدا کے سہارے۔

اس کا خیال تھا کہ اب اظہار کے رویّے میں کچھ نرمی آئے گی اور وہ کبھی کبھار چاہے بوسیدہ اور سڑی ہوئی سہی ایک آدھ مسکراہٹ سے اُسے نواز دیا کرے گا — آخر بابا کسی حد تک تو مان چکے تھے۔ لیکن نہیں جی اظہار صاحب پہلے سے بھی زیادہ درشت اور لاپرواہ — جو مسکراہٹ شوبھا کے ہونٹوں پر آئی اس میں اختیار کا دخل بہت کم تھا کہ وہ اظہار کے لئے ایک گہرے ربط اور میلان کی مظہر تھی۔

آپا عارفین میں البتہ ایک تبدیلی آ رہی تھی۔

وہ اب زرق برق بھڑکیلے گوٹے کناری والے ملبوسات سے گریز کرنے لگی تھی

ے اپنے آپ میں واپس آ رہی ہوں۔ فراموش وقت کی چھوٹی چھوٹی کُترنیں جمع کر کے
انہیں ایک کُل کی شکل میں دیکھنا چاہ رہی ہوں — بابا متوجہ نہیں ہوتے تھے، اُنہیں
توجہ کرنا تھا — اب وہ پھر مسکرائی اپنے بابا کے لئے، آواز بٹھا دینے والے اور آنکھوں
میں نمی لانے والے جذبے کے ساتھ...

ڈَز —

کہیں ایک فائر ہوا۔

گولی کی آواز کتنی مختصر اور دل کو دھچکا دینے والی ہوتی ہے۔

جب سے بُچّر برادری اُس کا پرپوزل لے کر آئی تھی، بابا کم بولتے تھے — وہ
سکول سے بھی ناغہ کر لیتے اور جب اُس کی فوکسی سڑک سے پرے کچّے راستے میں
اترتی اور دُھول اُٹھتی تو وہ اُس دُھول کے اندر آتی ہوئی بابا کی نگاہیں محسوس کر لیتی جو
رک کے برآمدے میں بیٹھے جوگیوں ایسے مکمل دھیان کے ساتھ اُس جانب دیکھ رہے
ہوتے تھے... اور وہ ہمیشہ کہتے، تم نے بہت دیر کر دی شوبھا — وہ کچھ بے اعتبارے ہو گئے
تھے۔

یہ نہیں کہ شاہراہ پر صرف اُسی کی فوکسی تھی... کبھی کبھار کوئی کار، وین یا ٹرک بھی
خلائی تیز رفتاری سے اُسے اوور ٹیک کرتے ہوئے فوراً دُور ہو جاتا۔

ماں کے بارے میں بابا کبھی تفصیل میں نہیں گئے تھے۔ کبھی یہ نہیں بتایا کہ اُن کا
کیسے ہوا تھا... اُن کے پاس ماں کی تصویر بھی نہیں تھی۔

"بابا — آئی لَو یو" اس نے کار کا ہارن متعدد بار بجا کر بچوں کی طرح خوشی سے سَر
نکالا... ہارن کی آواز ویرانی میں وہاں تک گئی جہاں بہت سارے مکان خاموشی کے ایک
اثاثے میں بہت دیر سے چُپ تھے۔

چند ٹرک، دو جیپیں، وائرلیس کی گہما گہمی، پولیس اور رینجرز کی وردیاں اور ہلمٹوں
کے نیچے ہونٹ چباتے جوان۔

اُس نے بریک پر پاؤں رکھ دیا۔ ایک اور چیک پوسٹ۔

اُس کے کاغذات چیک ہوئے، ایک پولیس انسپکٹر نے فوکسی کے گرد ایک تفتیشی
نظر غور مکمل کیا اور کاغذات واپس کر دیئے "شکریہ —"

شوبھا نے کار سٹارٹ کر دی اور یقیناً یہ پاکستان کی واحد فوکسی تھی جو پہلی بار چابی

گھمانے سے سٹارٹ ہوئی تھی۔

"شوبھا مردان —" انسپکٹر نے جھک کر کہا "میں نے پہلی بار ایسا نام سنا ہے۔"

"کیونکہ میں آدھی بنگلہ دیشی ہوں —" شوبھا نے ایک چوڑی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور ایکسلریٹر پر دباؤ ڈالنے کو تھی کہ انسپکٹر نے سٹیئرنگ پر ہاتھ رکھ دیا "آپ ذرا باہر آئیں۔"

"کیوں؟"

"باہر آؤ —"

بہت بہادر اور نڈر ہونے کے باوجود اس کی رنگت میں زردی ظاہر ہونے لگی اور اُس کے ہاتھ لرزنے لگے "لیکن کیوں؟"

اس دوران چند مستعد اہل کار فوکسی کے آگے تعینات ہو چکے تھے۔

وہ باہر آ گئی۔

"کار کی تلاشی لو —"

"ڈیش بورڈ، نشستیں، اُن کے نیچے کی جگہ، بونٹ، انجن — ہر شے میں جھانکا گیا۔

"تم بنگلہ دیشی ہو —" انسپکٹر ایک نرم چہرے اور ہلکی مونچھوں والا نوجوان تھا جس کی شباہت میں ابھی پولیس کی سختی نہیں آئی تھی اور بارعب ہونے کی کوشش میں ذرا بیوقوف لگنے لگتا تھا۔

"نہیں۔ میں پاکستانی ہوں لیکن میری ماں بنگالی تھی —"

"یو آر انڈر اریسٹ —" انسپکٹر نے اپنے ماتحتوں کی جانب دیکھا اور وہ جیسے اُسی کے دیکھنے کے منتظر تھے وہ آگے آ گئے "کار کو تھانے لے چلو اور اسے بھی —"

شوبھا کا بدن کپکپانے لگا "مجھے بابا کو فون کرنا ہے —"

"بنگال جا کر کرنا —" ایک سپاہی جو پہلے کسی سنائپر کی دہشت میں تھا ایک بے سہارا لڑکی کے آسرے نڈر ہو گیا۔

صاحب کمال نے اُسے تب دیکھا جب وہ فوکسی سے باہر آ رہی تھی۔

اُس نے اس لڑکی کو پہلے بھی دیکھا تھا۔ اِس رِکٹی پرانی کار کو بھی اور اس فریجائل قسم کی لڑکی کو بھی — کہاں دیکھا تھا۔

اُس کی جیپ میں وائرلیس سسٹم کا بہت شور تھا — اور وہ کار کے قریب کھڑی

ں کے لرزتے بدن کو بھی دیکھ سکتا تھا — وہ جیپ سے باہر آ گیا۔ ""اسپلٹر — "" ہلکی مونچھوں والا انسپکٹر فوراً اٹَن ہو گیا" یہ لڑکی کون ہے؟""

"سَر اس نے خود admit کیا ہے کہ یہ بنگلہ دیشی ہے سَر — اور سَر آپ جانتے ہیں کہ کراچی میں اس ٹیم بہت زیادہ غیر قانونی بنگلہ دیشی ہیں سَر تو حکومت انہیں پکڑ کر واپس بھیج رہی ہے۔ یہ بھی واپس جائے گی سَر — "

شوبھا نے صورت حال میں ایک غیر متوقع تبدیلی محسوس کی کہ ایک افسر جیپ میں سے اُترتا ہے اور اس کی جانب آ کر پوچھتا ہے کہ لڑکی کون ہے تو شائد — "سَر انہیں بالکل غلط فہمی ہوئی ہے سَر... میں آغا خان میڈیکل کالج کی فائنل ایئر کی سٹوڈنٹ ہوں سَر — اور میں پاکستانی ہوں۔"

"تم بنگلہ دیشی نہیں ہو؟"

"نو سَر — یس سَر — صرف ہاف سَر — " وہ سرد ہواؤں میں زرد پتے کی کپکپاہٹ تھی۔

اوہ یَس — صاحب کمال جانتا تھا کہ وہ کون ہے۔

یہی فوکسی تھی جو دور ہوتی جا رہی تھی جب اس کے اندر ایک تلاطم برپا ہوا تھا۔ بڑھا چلی تھی۔ اب وہ اُسے دیکھ سکتا تھا۔ ادھ کھلے ہونٹ زرد پتے کی کپکپاہٹ — اور وہ اس کی جانب ایک مسیحا کی طرح دیکھ رہی تھی "پلیز سَر، میرے بابا میرا انتظار کر رہے ہیں۔"

اوہ یَس۔ صاحب کمال اسے جانتا تھا کہ وہ کون ہے — جس نے اس کے اندر شک کا بیج بویا تھا۔ شباہت کے دھوکے دیئے تھے۔

کیا یہ ممکن ہے کہ اُن میں سے کوئی ایک ہو — تئیس برس پہلے کے جو جنگل تھے اُن میں سے کوئی ایک چہرہ ادھر کراچی میں ایک فوکسی میں ہو —

ایک سنائپر فائر ہوا، سب لوگ ایک لمحے کے لیے غیر ارادی طور پر جھک گئے۔

بیرک کے برآمدے میں منتظر مردان کے آگے جو میز تھی اُس پر بیٹ مین بشیر کی رکھی ہوئی چائے کی پیالی کب کی ٹھنڈی ہو چکی تھی کیونکہ چائے پینے کے لیے پیالی اُٹھانا ضروری ہے اور پیالی اُٹھانے کے لیے نظر جُھکا کر اسے دیکھنا ضروری ہے اور مردان افق پر نظر جمائے شوبھا کی کار کی دُھول کا منتظر تھا۔

"پلیز سر- میں محب الوطن پاکستانی ہوں اور — میرے بابا میرا انتظار کر رہے ہیں-"

"تمہارے بابا کیا کرتے ہیں؟" صاحب کمال نے پہلی بار اسے مخاطب کیا-

"سکول ٹیچر ہیں سر — لیکن ہی واز این آفیسر ان پاکستان آرمی سر —"

صاحب کمال کا بدن "این آفیسر ان پاکستان آرمی —" سنتے ہی سیدھا ہو گیا

"نام؟"

"کیپٹن مردان علی —"

"یونٹ —؟"

"آئی ڈونٹ نو سر — لیکن اُنہوں نے بنگلہ دیش میں — آئی مین ایسٹ پاکستان میں سرو کیا تھا سر — تو — میری ماں بنگالی تھی-"

"کہاں — کون — لیکن ڈیم اِٹ ڈیوٹی از ڈیوٹی-

"Let her go"

"لیکن جنابِ عالی یہ..." انسپکٹر نے ہلکا سا احتجاج کرنا مناسب جانا-

"اِسے جانے دو — اور اس کے لیے کار کا دروازہ کھولو-"

انسپکٹر فوراً بدل گیا اور مؤدب ہو کر جھکتے ہوئے فوکسی کا دروازہ کھول دیا "آیئے جنابِ عالی —"

شوبھا بے یقینی میں وہیں ساکت کھڑی کانپتی رہی اور پھر اُس شخص کی جانب دیکھا جو بلند قامت اور وجیہہ تھا اور اُس کی جانب مسلسل دیکھ رہا تھا "تھینک یُو سر —"

"اِدھر آؤ —"

"جی سر —" شوبھا جیسے حکم کی تعمیل میں مکانکی گڑیا کی طرح سر ہلاتی اُس کے پاس آ گئی- صاحب کمال نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا جو شائد بلاوجہ ہی لرزش میں تھا...

"ینگ لیڈی، ہم بُرے وقتوں میں رہتے ہیں- باہر نکلتے ہوئے احتیاط کرو-"

"یس سر —"

شوبھا نے وردی پوش شخص کی طرف دیکھا اور اس کی شباہت اُسے دیکھی ہوئی لگی...

صاحب کمال نے ویران شاہراہ پر دور ہوتی فوکسی پر سے نظریں نہیں ہٹائیں،

دیکھتا رہا۔ اُس نے اپنا دایاں ہاتھ اُٹھا کر اپنی ہتھیلی کو ناک سے لگایا اور اُس میں کچّے
ی مہک تھی اور پھر اُسی ہتھیلی سے آنکھوں میں آئی ہوئی نمی کو صاف کیا۔

جب کچی سڑک پر دُھول اُٹھی تو مردان نے اطمینان کا سانس لیا اور گھڑی پر وقت

شوبھا دس منٹ دیر سے آ رہی تھی۔

وے سائڈ ہوٹل کے پچھواڑے میں آلوچے کے درخت کی خالی ٹہنیاں بھی نظر نہیں آ رہی تھیں کیونکہ تاریکی بہت تھی اور دریائے سوات کا شور اُس اندھیرے میں دُور تک اُترتا چلا جا رہا تھا۔

کُتورا — برادرِ عزیز ایک عرصہ ہوا بڑا ہو کر کُتے کا سٹیٹس حاصل کر چکا تھا اور موجودہ لمحے میں دریا کنارے بیٹھے زاہد کالیے کے قدموں میں دُم ہلائے چلا جا رہا تھا۔

"یار ارشد یہ حرکت کرنے کی ضرورت کیا تھی؟"

"کونسی حرکت؟"

ڈاکٹر ارشد بٹ خیلہ تھانے کی ایک تاریک کوٹھڑی میں نسوار کی تھُوکوں سے بھرے فرش پر صابر شاکر لیٹا سلاخوں سے منہ لگائے زاہد کالیے کو دیکھ رہا تھا جس کے چہرے پر دوست کے لیے فکر اور دردمندی تھی۔

"یہی — شادی کارڈ پر بسم اللہ لکھنے کی —"

"میں نے پشاور اگر چھوڑا تھا تو زاہد صرف اس لیے کہ یہاں مالاکنڈ ایجنسی میں، بٹ خیلہ میں ایک عام سی زندگی بسر کر سکوں... یہ کیا زندگی ہے — ہر شے کے لیے تم واحد سکیپ گوٹ ہوتے ہو.. جیسے یورپ میں یہودی ہوا کرتے تھے —"

کالیا آج صبح اسلام آباد سے چلا تھا اور متعدد ہپ فلاسکس خالی کرنے کے باوجود پژمردہ اور تھکا ہوا تھا اور اپنے سوال کا جواب چاہتا تھا "میں شادی کارڈ کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔"

"پہلے سے چھپا ہوا تھا۔ ریڈی میڈ کارڈز پر پہلے سے چھپا ہوتا ہے۔"

"پھر؟"

"پھر کیا؟"

"یار اب میں تمہیں حوالات میں چھوڑ کر تو نہیں جا سکتا —"

کوئی اور چارہ نہیں۔ ویسے بھی یہ ہماری آخری ملاقات ہو سکتی ہے —"

"بہن یا کیا بکواس کرتے ہو —"

ڈاکٹر ارشد فرش سے جس پر بہت کچھ غلیظ چپکا ہوا تھا اُٹھ کر سلاخوں کے قریب آ

"سزا تو ہو گی اور قید کے دوران کوئی نیک شخص مجھے جہنم واصل بھی کر سکتا ہے۔"

بہت دیر سے، اتنی دیر سے کہ پچھلا پہر شام میں ڈھلا اور پھر چک درّہ پُل کی

یاں جل اُٹھیں اور دریائے سوات کا بہاؤ نظر سے تاریک ہوا اور صرف شور باقی رہا اور

عزیز کی دُم مسلسل حرکت میں رہی۔

وہ ٹکٹکی باندھے نظریں جمائے آلوچے کے درخت کو دیکھتا رہا جو وے سائڈ ہوٹل

یک کوٹھڑی میں جلتے بلب کی روشنی میں کچھ کچھ دکھائی پڑتا تھا۔

آج پانیوں کا شور کم تھا۔

اِن مہینوں میں اِن موسموں میں اُس کے کان آشنا تھے کہ شور اتنا کم نہیں ہوتا...

ں میں کوئی پرابلم ہو گئی ہے — یا پھر دریا میں پانی کم ہو گئے ہیں جو شور گھٹ گیا ہے۔

پانی اس سے پیشتر پتھروں سے ٹکرا کر آگے جاتا تھا اُس میں کمی ہو گئی ہے — پر یہ

ں نہ تھا — اُس نے سر جھٹکا اور جھک کر برادر عزیز کی پشت پر ایک تھپکی دی جس کے

ب میں ایک شکر گزار "وَف" کی آواز آئی۔

کوئی شگوفہ نہ کھلا اور اُس کی سفیدی سے رات کی تاریکی کم نہ ہوئی۔

آلوچے کی شاخیں خالی رہیں۔

چار چیزیں ہیں اور اُن میں سے ایک...

"می آؤں- می آؤں" رُکھوں کے اندر سے کہیں مور بولا۔

اور رُکھوں کے اندر ہی اندر اُن کے گہرے اندھیرے اور سبز ٹھنڈک کے بیچ ہی بیچ وہ دونوں چلے جاتے تھے پر الگ الگ اپنے اپنے راستوں پر — ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے، نظر میں رکھتے متوازی راستوں پر چلے جا رہے تھے۔ برگیتا اور مشاہد کے درمیان میں، انہیں الگ کرتے ہوئے، صرف پانچ چھ درخت تھے اور وہ کم نہ ہوتے تھے۔ وہ خوف میں تھی کہ یہ فاصلہ بڑھتا جائے گا۔ درخت ایک جنگل ہو جائیں گے اور مشاہد جو اب اُسے دکھائی دے رہا ہے، ساتھ ساتھ چلتا ہوا اوجھل ہو جائے گا اور وہ چونکتی، گہرے سانس لیتی اور کبھی ہچکی بھرتی چلی جا رہی تھی اور انہی رُکھوں میں کہیں مور بولتا تھا۔

"می آؤں- می آؤں —"

مشاہد نے سوتے میں کروٹ بدلی۔

رُکھوں کے اندر ہی اندر وہ بھی سفر میں تھا۔ اُسے دائیں ہاتھ پر چند درختوں سے پرے برگیتا دکھائی پڑتی تھی جو چلتی جا رہی تھی اور چلتے چلتے اُس پر نظر رکھتی تھی۔ پہلے تو اندر ہی اندر گھنا سکوت اور چپ خاموشی تھی اور پھر یکلخت تمام درخت اور اُن کی ٹہنیاں پرندوں سے بھر گئیں، پرندے جو بے پناہ شور مچا رہے تھے اور پھر اُن کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور وہ برگیتا کو دیکھ نہ سکتا تھا کیونکہ رنگ برنگے پکھیرو اُن کے درمیان اُڑان کرتے تھے اور جہاں سے اُڑان کر کے گذرتے تھے وہاں ہوا میں اُن کے رنگ باقی رہ جاتے تھے اور ان رنگوں کی لکیروں میں سے برگیتا کہیں کہیں دکھائی دے جاتی تھی۔ وہ اُس کے چہرے اور بدن سے ٹکراتے اور پھڑپھڑاتے ہوئے اُڑان کر جاتے۔ پہلے وہ برگیتا کو نظر میں رکھتا تھا رنگوں کی لکیروں کے پار اور اب وہ قدم دھیان سے اُٹھاتا تھا کہ پرندے اتنے زیادہ تھے کہ جنگل کے فرش پر اُن کے ڈھیر لگتے جاتے تھے اور وہ روندے جاتے تھے۔ شور بے پناہ تھا لیکن جب مشاہد بولتا تو وہ سارے کے سارے چپ ہو جاتے۔ یہیں کہیں مور

مشاہد اوندھا پڑا سو رہا تھا اور کھنچے ہوئے پردوں میں سے دِن کی لَو کمرے کی تاریکی
نے کی کوشش میں تھی۔ برگیتا کا سیاہ ہاتھ اُس کی ننگی پُشت پر آرام کرتا تھا۔

"می آؤں۔ می آؤں ——"

برگیتا نے آنکھیں کھول دیں۔ صبح کی یخ بلند چھت والے کمرے میں ٹھہری ہوئی
ور وہ ابھی تک گہرے سانس لے رہی تھی۔ تعلق واسطے میں، محبت کے رشتے میں
پہلی باریک سی دراڑ آتی ہے تو انسان انجان بن جاتا ہے، یہ واہمہ ہے —— یہ آج
ر کل صبح جب میں اس کی ہموار سطح پر ہاتھ پھیروں گا تو وہاں کہیں بھی کوئی انک
ہوگی، بال برابر بھی نہیں ہوگی —— یہ واہمہ ہے۔ لیکن یہ دراڑ اُس کے اندر نقش ہو
ہے اور بڑی ہونے لگتی ہے، چاہے وہ واہمہ ہو، وہ حقیقت کا رُوپ دھار لیتی ہے ——
کمروں والی کوٹھی سے پرے شیشم اور جامن کے درختوں کے نیچے بوسیدگی کے
ے میں وہ دراڑ ہے —— جو دیکھ نہیں سکتی اور بڑی ہوتی جا رہی ہے۔

"می آؤں۔ می آؤں۔"

اس کی پُشت پر ایک بوجھ تھا —— وہ برگیتا کے سارے بدن اور ہاتھ پاؤں سے آگاہ
لیے وہ اس بوجھ کو محسوس کرتے ہوئے جانتا تھا۔

اُس ہاتھ کے راستے جیسے وہ اُس کے بدن میں سفر کرتا ہوا وہاں تک پہنچ رہا تھا
ہ اِس سوچ میں تھی کہ شیشم اور جامن کے درختوں کے نیچے بوسیدگی کے کمرے
دراڑ ہے —— اگر انسانی ردعمل طے شدہ ہو تو کبھی دھوکے اور دُکھ کا وجود نہ ہو
تو نہیں جانتا تھا کہ فاطمہ اُس پر کس طور اثر کرے گی۔

"می آؤں۔ می آؤں۔"

مشاہد نے بھی آنکھیں کھول دیں —— اُس نے غنودگی میں نہیں، عالم خواب میں
ہے میں بالکل نہیں سات کمروں والی کوٹھی کے اندر سے آتی ہوئی سچ مچ ایک مور
زنی تھی۔

"برگیتا ——" وہ کروٹ بدل کر اُس کے قریب ہو گیا اور اُس کا ہاتھ اُس کی کمر کے
ک گیا "یہ آواز کیسی ہے؟"

میں غلطی پر نہیں ہوں تو... میرا خیال ہے —— اِٹس اے پیکاک ——" وہ